حجازِ مقدس کی والہانہ حاضری

حضرت مولانا عبدالرؤف غزنوی
سابق استاذ: دارالعلوم دیوبند انڈیا، حال استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

(پہلی قسط)

ایک مسلمان بچہ اپنے بچپن کے اندر جیسے ہی کچھ ہوش سنبھالنے اور بات سمجھنے لگتا ہے تو اپنے والدین اور بڑوں سے کعبۃ اللہ اور روضۂ رسول مقبول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا تذکرہ سنتا رہتا ہے، اور جب وہ تقریباً سات سال کی عمر میں نماز پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور اس کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ نماز کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ نمازی کا رُخ کعبۃ اللہ کی طرف ہو تو اس کے دل میں کعبۃ اللہ کی عظمت اور اس کی طرف ایک غیر اختیاری کشش پیدا ہو جاتی ہے، اور جب اس کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا آخری نبی مان لیا جائے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اسلام کے بنیادی احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عاقل بالغ صاحبِ استطاعت مسلمان کے ذمہ زندگی میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ فرض ہے تو اس کا دل حجازِ مقدس کی حاضری کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے، اور آگے چل کر جب اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا کچھ حصہ اور اس کے ضمن میں مدینہ منورہ کا تعارف اور روضۂ رسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا تقدس وعظمت بتائی جاتی ہے تو اس کی بے تابی ایک تڑپ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

راقم الحروف کے بچپن اور طالب علمی کا زمانہ حرمین شریفین کی محبت اور وہاں پر حاضری کی تمنا کے حوالہ سے مذکورہ بالا کیفیت کے ساتھ گزر گیا، اور وسائل نہ ہونے کی وجہ سے حاضری کا موقع نہ مل سکا، درسِ نظامی سے فراغت کے بعد ہی اپنی مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی سال ۱۴۰۲ھ-۱۴۰۳ھ کو تدریس کی خدمت پر مامور ہوا، جب کہ مسجد دارالعلوم کی امامت وخطابت کی ذمہ داری دورۂ حدیث پڑھنے کے سال سے احقر کے سپرد ہو چکی تھی، تدریس وامامت دونوں کے عوض دارالعلوم دیوبند سے مجھے چھ سو نوے روپے مشاہرہ ملتا تھا، جس میں ظاہری قلت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی تھی، تاہم اس معمولی مشاہرہ سے اتنا بچانا جو حج کے اخراجات کے لیے کافی ہو جاتا' ناممکن تھا، لہٰذا! دل ہی دل میں حرمین شریفین کی حاضری کی تمنا جمی رہتی تھی، اور اس تمنا کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دعا کے علاوہ کوئی اور

ظاہری سبب نظر نہیں آرہا تھا:

اے غائب از نظر کہ شدے ہمنشینِ دل
میگویمت ثنا و دعا مے فرستمت

ایک عارف باللہ صاحبِ حال بزرگ کی دعا کا اثر

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے زمانہ میں جناب قاری عبدالحفیظ صاحب زیدمجدہم - استاذ شعبۂ تجوید دارالعلوم دیوبند - کی معیت میں ان ہی کی موٹر سائیکل پر ایک دفعہ بروز اتوار ۱۷/۱۲/۱۴۰۶ھ کو شیخ علاء الدین علی بن احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی ۱۳ / ربیع الاول ۶۹۰ ھ) خلیفۂ اجل حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (متوفّٰی ۵ / محرم ۶۶۴ ھ) کے مزار پر حاضری دینے کے لیے کلیر شریف جو دیوبند سے تقریباً پچاس کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، جانے کا پروگرام بنا، قاری صاحب چونکہ دیوبند کے مضافات اور ان کے راستوں سے خوب واقف تھے، اس لیے یہ راستہ مختصر وقت میں طے ہوا۔

آستانۂ صابری پر حاضری دینے سے سکون واطمینان کے بجائے وہاں پر موجود بدعت کے ماحول کو دیکھ کر کدورت لاحق ہوگئی۔ فاتحہ خوانی وایصالِ ثواب کے لیے بھی مزار کے بجائے قریب میں واقع مسجد کو منتخب کرنا پڑا، کیونکہ مزار کے پاس موجود بدعات کو روکنا ہمارے بس میں نہ تھا، البتہ وہاں سے الگ ہونا ہمارے بس میں تھا، اس لیے جلد از جلد وہاں سے الگ ہونے کو ترجیح دی، اور میں نے رفیق سفر اور اپنے کرم فرما جناب قاری صاحب موصوف سے یہ بات بھی عرض کردی کہ اگر پہلے سے یہ معلوم ہوتا کہ یہاں ایسا ماحول ہے تو حاضری کی کوشش نہ کی جاتی۔ مسجد میں فاتحہ خوانی اور ایصالِ ثواب کرکے ہم نے واپسی کا پروگرام بنایا، جناب قاری صاحب نے واپسی میں بتایا کہ راستہ میں ایک گاؤں ''نانکہ'' آتا ہے، جہاں حضرت حافظ عبدالستار صاحب دامت برکاتہم رہتے ہیں، جوکہ تارک الدنیا، صاحبِ حال، مستجاب الدعوۃ اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ (متوفّٰی ۱۴ / ربیع الاول ۱۳۸۲ھ) کے خلیفہ ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو ان کی خدمت میں بھی حاضری دیتے ہیں۔ میں نے کہا: یہ تو میری بڑی سعادت ہوگی، اور اس حاضری سے اس کدورت کی بھی بڑی حد تک تلافی ہوجائے گی، جو آستانۂ صابری پر حاضری کے وقت وہاں پر موجود بدعات کے ماحول کو دیکھ کر لاحق ہوگئی ہے۔

بہرصورت حضرت حافظ عبدالستار صاحب سے ملاقات کے لیے اُن کے گاؤں ''نانکہ'' پہنچے، اور اُن کے مکان پر (جو ایک سادہ سا مکان تھا) حاضری دی، اس سے قبل کہ ہم کسی سے یہ معلوم کرلیتے کہ حافظ صاحب تشریف فرما ہیں یا نہیں؟ ملاقات ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس مکان سے سادہ لباس میں ملبوس ایک شخص باہر تشریف لائے اور مکان سے ذرا فاصلہ پر واقع مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔ میرا تو یہ خیال ہوا کہ حافظ صاحب کے خدام یا متعلقین میں سے یہ کوئی صاحب ہوں گے، لیکن قاری عبدالحفیظ صاحب

چونکہ پہلے ہی سے ان سے واقف تھے، فرمانے لگے: یہی حضرت حافظ عبدالستار صاحب زیدمجدہم ہیں۔ سلام ومصافحہ تو اسی وقت ہم نے آگے بڑھ کر ان سے کرلیا، لیکن انہوں نے سلام کے جواب ومصافحہ کے علاوہ ہم سے اور نہ ہی وہاں پر موجود کسی اور شخص سے کوئی خاص بات کی، اور مسجد کی طرف چلے گئے، ہم بھی پیچھے پیچھے مسجد تک گئے، مسجد پہنچ کر حضرت حافظ صاحب مسجد کے ایک حصہ میں بچھی ہوئی ریت پر پشت کے بل لیٹ گئے، اور کسی سے کوئی بات نہیں کی، اور چونکہ کسی نماز کا وقت نہیں تھا، اس لیے ہم بھی ان کے قریب بیٹھ گئے، ان کی سادگی اور اونچی نسبت کو دیکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث پاک یاد آنا ایک قدرتی بات تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ارشاد فرمائی تھی کہ:

’’کم من أشعث أغبرَ ذی طَمرین لایُؤْبَهُ لهٗ لو أقسم علی اللّٰه لأبرّهٗ منهم البراء بن مالکؓ۔(رواه الترمذی بسندہٖ عن أنس بن مالک رضی اللّٰه عنه)۔‘‘

یعنی ’’بہت سے پراگندہ بال، غبارآلود جسم، دو پرانے کپڑے پہننے والے جن کو عام طور پر کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو، (اللہ کے یہاں ان کا اتنا اونچا مقام ہوتا ہے کہ) اگر وہ کسی بات کی قسم بھی کھا لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ (ان کی بات کی لاج رکھتے ہوئے) ان کی قسم کو پوری کردیتا ہے، جن میں سے ایک براء بن مالکؓ بھی ہیں۔‘‘

قاری عبدالحفیظ صاحب نے حضرت حافظ صاحبؒ سے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ میرے ساتھ آنے والے یہ شخص دارالعلوم دیوبند کے نوجوان اساتذہ میں سے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کی مسجد کے امام بھی ہیں، آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں، حافظ صاحب ایک دم اُٹھ گئے، میں نے ان سے ادب کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے مزاج پرسی کی، انہوں نے بھی خیریت پوچھی، میں نے ان سے تین دعاؤں کی درخواست کی، جن میں سے ایک دعا حج بیت اللہ نصیب ہونے سے متعلق تھی، انہوں نے فوراً دونوں ہاتھ اُٹھا کر ذرا لمبی سی خفیہ دعا کی، دعا کے بعد ہم نے اُن سے رخصت لی، اور واپس دیوبند آگئے۔

ان خدارسیدہ بزرگ حضرت حافظ عبدالستار صاحب رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کی دعا کا اثر راقم نے اس طرح دیکھا کہ ۱۷/ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ کو مذکورہ دعا ہوئی تھی۔ ۲۱/ذوالقعدۃ ۱۴۰۷ھ کو غیرمتوقع طور پر جامعۃ الملک سعود ریاض میں احقر کے داخلہ کی اطلاع موصول ہوئی۔ یکم صفر ۱۴۰۸ھ کو ریاض پہنچا، ۱۹/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ کو بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب حرمِ مکی کی پہلی زیارت اور عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی اور شبِ جمعہ ۲۰/ربیع الاول ۱۴۰۸ھ کو مسجد نبوی اور روضۂ اقدس (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی پہلی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، اور ماہِ ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ ہی کو پہلے حج کی سعادت میسر ہوئی۔ مذکورہ اجمال کی تفصیل درج کرنے سے پہلے حضرت حافظ عبدالستار صاحب قدس سرہٗ کا مختصر تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عارف باللہ حضرت حافظ عبدالستار صاحب کا مختصر تذکرہ

حضرت حافظ عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴؍شعبان ۱۳۲۷ھ مطابق ۲؍ستمبر ۱۹۰۹ء موضع ’’ہرچند پور‘‘، تحصیل ’’روڑکی‘‘، ضلع ’’سہارن پور‘‘ میں ایک ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں، جہاں تعلیم وتربیت سے کوئی آشنا نہ تھا، اس لیے ان کا نام بھی اسی ماحول کے مطابق شبِ براءت سے منسوب کرتے ہوئے ’’شبراتی‘‘ رکھا گیا۔ بچپن میں ان کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا تو پرورش کی ذمہ داری دادا محترم نے اپنے کندھوں پر لی۔ کچھ عرصہ بعد دادا جان کا بھی انتقال ہوگیا تو ان کی پرورش کی ذمہ داری نانا محترم پر آگئی۔ نانا جان نے ان کو کچھ ابتدائی دینی تعلیم اور پھر کچھ ابتدائی عصری تعلیم دلادی، پھر انہوں نے بدرجۂ مجبوری تعلیم کا سلسلہ موقوف کرکے گھر کا کام اور والدہ محترمہ کی خدمت شروع کردی، اس کے بعد دل میں حفظِ قرآن کا ولولہ پیدا ہوا اور اپنی والدہ محترمہ سے اس کا تذکرہ کردیا۔ والدہ نے اجازت دی، تو انہوں نے حفظ قرآن کے ارادہ سے رائے پور کا سفر شروع کیا، لیکن راستہ میں ایک قصبہ ’’بہٹ‘‘ پڑتا ہے، جو رائے پور سے تقریباً آٹھ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، یہاں انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی اور معلوم ہوا کہ یہاں پر بھی حفظ قرآن کرایا جاتا ہے، تو انہوں نے رائے پور کا ارادہ ملتوی کردیا، اور ’’بہٹ‘‘ میں حفظ قرآن شروع کیا‘ جہاں کھانے کا کوئی نظم نہیں تھا، البتہ ایک طالب علم نے جس کا کھانا کسی کے گھر سے آتا تھا، بہ خوشی اپنے کھانے میں ان کو شریک کیا، اور اس طرح انہوں نے حفظ قرآن مکمل کرلیا۔

حفظ قرآن کے بعد مزید تعلیم کے لیے مدرسہ رکنیہ جو ’’سکروڈہ‘‘ نامی بستی میں واقع تھا‘ داخل ہوئے، جہاں انہوں نے فارسی کی کئی کتابیں مولانا خدابخش صاحب سے پڑھیں، آپ کی تواضع وخاکساری اور اساتذہ کی خدمت واحترام کی وجہ سے منتظمین واساتذہ بالخصوص مولانا خدابخش صاحب آپ پر بے حد شفقت وعنایت فرماتے، اور مولانا موصوف ہی آپ کو رائے پور حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمتِ بابرکت میں لے جاتے رہے، یہاں تک کہ آپ کو حضرت رائے پوری قدس سرہٗ سے والہانہ محبت وعقیدت پیدا ہوگئی، اور ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوگئے، حضرت رائے پوریؒ نے آپ کا نام تبدیل کرکے ’’شبراتی‘‘ کے بجائے ’’عبدالستار‘‘ تجویز فرمایا، اور آپ کی اصلاح پر خوب توجہ دی، یہاں تک کہ ماہِ فروری ۱۹۵۰ء کو انہیں اجازتِ بیعت مرحمت فرماتے ہوئے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ ونسبت کا یہ کرشمہ ظاہر ہوا کہ ایک ایسے ماحول میں آنکھ کھولنے والے ’’شبراتی‘‘ جہاں تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ تھا، عارف باللہ حضرت حافظ عبدالستار صاحب نانکوی کے نام سے مرجع خاص وعام بن گئے۔ بڑے بڑے اہل علم ان کے معتقد ومداح ہوگئے۔ دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں بھی ان کے جاننے والوں کے درمیان یہ مشہور

ہو گیا کہ وہ صاحبِ حال اور مستجاب الدعوۃ بزرگ ہیں۔ ہمارے استاذ و مرشد فقیہ الامّت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب قدس سرہٗ -صدر مفتی دار العلوم دیو بند- اور دیگر اکابرین بھی ان سے کافی محبت فرماتے تھے۔ حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب دامت برکاتہم -ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارن پور- ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''وہ ممتاز مستجاب الدعوات اور مرجع خلائق ہستی تھے، جہاں حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ سے انتساب نے ان کی عظمت کو چار چاند لگائے ہیں، وہیں حضرت حافظ صاحب موصوف کی ذات گرامی کی نسبت سے ''نانکہ'' نامی بستی کی شہرت و نیک نامی کو قابل رشک عروج حاصل ہوا۔'' (تذکرہ حافظ عبد الستار نانکویؒ)

حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی صاحب ان سے متعلق رقم طراز ہیں کہ:

''وہ حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری نوّر اللہ مرقدہٗ وبرّد اللہ مضجعہٗ کے اجل خلفاء میں سے تھے، مستجاب الدعوات تھے، سادگی، بے تکلفی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، اپنے شیخ سے بے حد محبت اور عقیدت تھی، تا آنکہ شکل و شباہت میں حضرت رائے پوری کا عکس نظر آنے لگا تھا، اور شیخ و مرشد ہی کی نسبت سے رائے پور سے بے انتہاء تعلق تھا، رائے پور کی طرف پیر پھیلانا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔'' (تذکرہ حافظ عبد الستار نانکویؒ)

حضرت حافظ عبد الستار صاحبؒ اگر چہ اصطلاحی عالم نہیں تھے، لیکن علمائے ربّانیین بالخصوص ان کے شیخ حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و نسبت کی برکت سے عالم گر ہو گئے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے تعلیم و تربیت کے میدان میں ان سے بڑا کام لیا۔ انہوں نے اگست ۱۹۳۱ء کو نانکہ نامی گاؤں کی مسجد میں وہاں کے لوگوں کی درخواست پر امامت کا سلسلہ شروع فرمایا، اور پوری زندگی اسی مسجد میں امامت کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت، اصلاح و تزکیۂ نفس کی قندیلیں روشن کرتے ہوئے گزار دی۔ ۱۹۳۳ء کو مسجد کی شرقی سمت میں ایک مکتب قائم کیا، جس کا نام ''مکتبِ اسلامی امدادی'' تجویز فرمایا۔ رفتہ رفتہ طلبہ کی تعداد بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ انہوں نے اس مکتب کو موضع ''گندیوڑہ'' کی سرحد میں منتقل کرایا، اور اپنے شیخ الشیخ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ (متوفّٰی ۲۶؍ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ) سے منسوب فرماتے ہوئے اس کا نام ''مدرسہ فیض الرحیم'' رکھ دیا، جہاں تعلیم و تربیت، مردم سازی و تزکیہ کا سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا، اور حضرت حافظ صاحبؒ کے وصال کے بعد ان کے متوسلین و متعلقین نے اس ادارہ کو ''جامعہ ستاریہ فیض الرحیم'' کا عنوان دیا، جس سے تادمِ تحریر لوگ استفادہ و استفاضہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تا روزِ قیامت اس سلسلہ کو جاری رکھیں۔

حضرت حافظ صاحبؒ کو حرمین شریفین سے عشق کی حد تک محبت تھی، اور یہ دعا بکثرت فرماتے تھے: ''یا اللہ! مجھے اپنے گھر بلا لے اور وہیں موت نصیب فرما دے''، اللہ تعالیٰ نے ان کو پانچ مرتبہ حج بیت اللہ

کی سعادت سے نوازا۔ آخری حج ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۹۰ء کو ادا فرمایا، جہاں ان کی آخری تمنا پوری ہوگئی، اور حج سے فارغ ہوتے ہی بروز اتوار ۱۶/ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸/جولائی ۱۹۹۰ء اذانِ ظہر کے وقت مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اسی دن بعد نمازِ عصر مدرسہ صولتیہ میں ان کی پہلی نمازِ جنازہ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم - صاحبزادہ محترم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ - کی اقتدا میں ادا کی گئی، اور دوسری نمازِ جنازہ بعد نمازِ مغرب مسجد حرام میں امامِ حرم کی اقتداء میں ادا کی گئی، اور پھر جنت المعلٰی میں ان کو سپردخاک کیا گیا۔ کسی نے ان کے بارے میں خوب کہا ہے:

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا
ستار پیر بھی صاحبِ نسبت فقیر تھا

اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

نوٹ:

حضرت حافظ عبدالستار صاحب نانکوی قدس سرہٗ کی زندگی سے متعلق مذکورہ بالا مضمون میں اپنی ذاتی معلومات کے ساتھ ساتھ ''تذکرہ حافظ عبدالستار نانکویؒ'' تالیف: مولانا محمد عابد ندوی زیدمجدہم سے بھی کافی استفادہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب کافی تلاش کے بعد میرے ہم نام اور دورۂ حدیث کے محترم ساتھی برادرِ مکرم جناب مولانا قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری زیدمجدہم استاذِ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند نے ''نانکہ'' گاؤں سے منگوا کر کراچی بھجوادی۔ جزاه الله خير الجزاء

جامعۃ الملک سعود ریاض میں داخلہ لینے کا داعیہ

حضرت حافظ عبدالستار صاحبؒ کی خدمت میں حاضری اوران سے دعا کی درخواست کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک مرتبہ جناب مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی استاذ دارالعلوم دیوبند (حال استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند) کے کمرہ میں جو دارِجدید کے مشرقی حصہ میں دوسری منزل پر واقع تھا، محض ایک ملاقات کے لیے فارغ وقت میں میری حاضری ہوئی، وہاں پر چندنوجوان اساتذۂ دارالعلوم کی مجلس جمی ہوئی تھی، اور جامعۃ الملک سعود ریاض سعودی عرب کے شعبۂ معہد اللغۃ العربیۃ میں غیرعرب معلّمین ومدرّسین کے داخلہ سے متعلق گفتگو فرمارہے تھے۔ وہ حضرات کہہ رہے تھے کہ اس شعبہ میں غیرعرب معلّمین کو عربی زبان میں تدریس کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے، لہٰذا ہمیں بھی اس کورس میں داخلہ لینے کی کوشش کرنی چاہیے، تاکہ داخلہ کی صورت میں عربی زبان میں استفادہ کے ساتھ ساتھ حرمین شریفین حاضری کا موقع بھی میسر رہے، میں تو بالکل خالی الذہن اورنووارد تھا، اورصرف ایک ملاقات کے لیے حاضر ہوا تھا، تاہم ان کی مذکورہ بالا گفتگو سن کر میرا جذبۂ محبت بھی بیدار ہوا، اوردل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ مجھے بھی اس نعمت کے حصول کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ اُدھر اُن حضرات سے اپنے اس داعیہ کے اظہار کے لیے حیاء مانع بن رہی تھی، لیکن

چونکہ وہ حضرات بے تکلف دوست تھے، اس لیے بالآخر میں نے ان سے یہ گزارش کر ہی لی کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی داخلہ کی کوشش کروں، اور آپ حضرات سے راہنمائی حاصل کروں؟ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اُنہوں نے اجازت دینے کے ساتھ ساتھ طریقۂ کار اور کاغذات بھیجنے کا پتہ بھی بتادیا۔

راقم نے عربی زبان میں ایک درخواست برائے داخلہ لکھ کر اپنی سندوں اور دارالعلوم کی طرف سے ایک سفارشی تحریر کے ساتھ بروز جمعہ ۲/ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ کو مذکورہ پتہ پر ارسال کردی۔ ظاہری اسباب کے اعتبار سے داخلہ کی امیداس وجہ سے کچھ کم تھی کہ داخلے محدود تھے، اور امیدوار لامحدود! صرف دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بھی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، میرے علاوہ کئی دوسرے حضرات نے بھی درخواستیں بھیجی تھیں، اور ''ندوۃ العلماء'' اور دیگر اداروں سے متعلق حضرات بھی کافی دلچسپی لے رہے تھے، اور مؤثر سفارشات کے ساتھ درخواستیں بھیج رہے تھے۔

احقر کا ایک خواب اور جامعۃ الملک سعود کی طرف سے ہمت افزا اطلاع

۴/جمادی الثانیۃ ۱۴۰۷ھ کو منگل اور بدھ کی درمیانی شب احقر نے خواب دیکھا کہ ''کوئی شخص احقر کا سر مونڈ رہا ہے اور سامنے پانی کا ایک چشمہ بھی نظر آرہا ہے۔'' آنکھ کھلنے کے بعد اس مختصر خواب کی تعبیر احقر کے ذہن میں یہ آئی کہ ان شاء اللہ! حج بیت اللہ نصیب ہوگا، سر مونڈنا احرام کھولنے کی طرف اشارہ ہے، اور پانی کا چشمہ آبِ زمزم ہے۔ فجر کی نماز کے بعد اس خواب کا تذکرہ دارالعلوم دیوبند کے ایک بڑے استاذِ حدیث حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم سے کردیا تو انہوں نے مذکورہ بالا تعبیر کی تحسین فرمائی۔

اس خواب کے گیارہ دن بعد بروز ہفتہ ۱۴/جمادی الثانیۃ ۱۴۰۷ھ کو جامعۃ الملک سعود کی طرف سے ایک جوابی تحریر موصول ہوئی، جس میں میری بھیجی ہوئی درخواست موصول ہونے اور اس پر غور کرنے کا تذکرہ تھا اور ساتھ ساتھ ایک فارم بھی بھیجا گیا تھا اور مجھے اس فارم کو پُر کرنے اور سعودی عرب کے سفارت خانے سے تصدیق شدہ اسناد کے ساتھ جلد از جلد بھیجنے کا حکم دیا گیا تھا۔ احقر نے حکم کے مطابق فارم کو پُر کر کے مطلوبہ کاغذات کے ساتھ بروز پیر ۲۳/جمادی الثانیۃ ۱۴۰۷ھ کو بذریعۂ ڈاک ارسال کردیا۔

حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم کا ایک خواب

۲۱/جمادی الثانیۃ ۱۴۰۷ھ کو بروز ہفتہ دارالحدیث تحتانی دارالعلوم دیوبند میں جلسہ انعامیہ ہورہا تھا۔ حسب معمول اساتذۂ دارالعلوم بشمول استاذ حدیث حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہم (حال شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ احقر بھی حضرت الاستاذ کے قریب ذرا پیچھے کی طرف بیٹھا ہوا تھا، اسی دوران حضرت الاستاذ مدظلہم نے مجھے اپنے قریب بلاکر آہستہ آواز میں بتایا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ''میں حج پر گیا ہوں اور آپ

(عبدالرؤف) بھی ساتھ ہیں۔'' حضرت الاستاذ کے اس مبارک خواب کو''بشارتِ منامی'' سمجھ کرحرمین شریفین حاضری کی امید میں اضافہ ہوگیا۔

حضرت الاستاذ مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کارآمد نصیحت

جامعۃ الملک سعود ریاض میں داخلہ ملنے اوراس بہانے حرمین شریفین حاضری کی امیدوں میں اضافہ ہورہا تھا،لیکن اپنے محترم استاذ حضرت مولانا معراج الحق صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃً -صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند- (متوفی ۱۴۱۲ھ) کی ایک قیمتی نصیحت جس سے انہوں نے اس موقع پر احقر کونوازا' برابر پیشِ نظر رہی، حضرتؒ نے فرمایا:

''کسی مفید یا کم ازکم جائز مقصد کے حصول کے لیے مناسب طریقہ سے کوشش کرنے اور جائز وسائل بروئے کارلانے میں توکوئی حرج نہیں، البتہ یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اس کوشش کے بعد اگر وہ مقصد حاصل ہوا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، اور اگر حاصل نہ ہوا تب بھی پریشانی کی ضرورت نہیں، بلکہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت ضرور ہوگی کہ یہ مقصد بروقت حاصل نہ ہوسکا اوراسی میں میری بہتری ہوگی۔''

مذکورہ بالا نصیحت کی روشنی میں احقر ذہنی طور پراس کے لیے بھی آمادہ تھا کہ اگر یہ داخلہ ہوگیا تو اس کو اللہ تعالیٰ کا ایک انعام سمجھوں گا اوراس کے لیے بھی تیارتھا کہ داخلہ نہ ہوا تو پریشان نہیں ہوں گا، بلکہ یہی سوچوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت اور میری بہتری اسی میں ہوگی۔حضرت الاستاذ قدس سرہٗ کی مذکورہ نصیحت کی برکات آج تک محسوس کررہا ہوں، اس لیے کہ اپنی محدود زندگی میں مختلف معاملات ومقاصد سے واسطہ پڑتا رہا اوربعض امورکو بہتر سمجھ کراُن کے حصول کے لیے مناسب انداز سے کوششیں بھی کی گئیں، آگے کبھی تو ایسا ہوا کہ مقاصد حاصل ہوئے اورکبھی ایسا بھی ہوا کہ بروقت حاصل نہیں ہوئے،لیکن اطمینان دونوں صورتوں میں قائم رہا،فللّٰہ **الحمد و المنۃ**۔

جامعۃ الملک سعود میں داخلہ کی اطلاع

۲۱رذوالقعدۃ ۱۴۰۷ھ بروز ہفتہ جامعۃ الملک سعود ریاض سے احقر کے نام دارالعلوم دیوبند کے پتہ پرایک تحریرموصول ہوئی،جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ آپ کا داخلہ''معہد اللغۃ العربیۃ'' میں منظور ہوچکا ہے۔آپ ۲۳/۲/۱۴۰۸ھ سے کم ازکم ایک ہفتہ قبل پاکستان جاکرسعودی سفارت خانہ سے رابطہ کریں، جہاں سے آپ کوتعلیمی ویزا اورریاض جانے کا ٹکٹ دونوں مل جائیں گے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی کرم اورحضرت حافظ عبدالستارصاحب رحمہ اللہ کی دعا کا اثر تھا کہ دارالعلوم دیوبند سے احقر کے علاوہ اوربھی چند ہم عصر اساتذہ نے داخلہ کے لیے درخواستیں بھیجی تھیں، بلکہ احقر نے توان ہی کو دیکھ کراوران ہی سے راہنمائی حاصل کرکے درخواست بھیجی تھی،لیکن داخلہ صرف احقر کونصیب ہوا۔

اس داخلہ کی اطلاع اپنے اساتذۂ کرام اور حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہٗ اللہ- مہتمم دارالعلوم دیوبند- کو پہلی ہی فرصت میں کردی، جنہوں نے خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے مبارک باد، دعاؤں اور گراں قدر نصیحتوں سے نوازا۔ اس کے بعد پاکستان جانے کی تیاری کرلی، اور تدریس وامامت دونوں سے متعلق دارالعلوم دیوبند کو چھٹی کی درخواست پیش کردی، جوکہ خوشی کے ساتھ منظور ہوگئی، اور یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ بروز جمعرات بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے کراچی پہنچا، اور کراچی سے بذریعہ بس کوئٹہ پہنچ کر عزیز واقارب سے ملاقات کرکے ان سے رخصت لی، پھر اسلام آباد جاکر سعودی سفارت خانہ سے تعلیمی ویزا اور کراچی تا ریاض ہوائی جہاز کا ٹکٹ حاصل کرکے ۲۹؍محرم الحرام ۱۴۰۸ھ کو بروز جمعرات اسلام آباد سے کراچی آ گیا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں قیام اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ کی ایک قیمتی نصیحت

دارالعلوم دیوبند کے بعد احقر کو جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ماحول اور اس کی عالی شان مسجد میں ایک غیراختیاری خوشی اور سکونِ قلب محسوس ہوتا تھا، حالانکہ نہ تو اس ادارے میں مجھے پڑھنے کا موقع ملا تھا، اور نہ ہی بانیِ جامعہ حضرت علاّمہ سید محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرّہٗ کی زیارت کی سعادت ملی تھی، ہاں! معارف السنن مطالعہ کرنے اور دارالعلوم دیوبند میں حضرت بنوری قدس سرّہٗ کا تذکرۂ خیر سننے کا موقع ضرور ملا تھا، اور اپنے اساتذۂ کرام سے یہ بھی سنا تھا کہ محدّث العصر حضرت علاّمہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرّہٗ کے شاگردوں میں سے سب سے فائق اور اُن کے علوم ومعارف کے امین حضرت بنوری قدس سرّہٗ تھے۔ اس بنیاد پر حضرت بنوریؒ اور ان کے ادارہ سے ایک قلبی محبت ضرور تھی، لہٰذا میری کوشش ہوتی تھی کہ جب بھی دیوبند سے کراچی آنا ہوتا تو قیام جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن میں کرتا، چنانچہ اِس مرتبہ بھی اسلام آباد سے کراچی پہنچ کر ایک دن کے لیے جامعہ ہی میں قیام کیا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی میں احقر کے قیام کے دوران دارالعلوم دیوبند کی نسبت کی وجہ سے حضرت مولانا سید رشید الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ - امام وخطیب جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن- (متوفّٰی ۱۴۲۱ھ) وقتاً فوقتاً مغرب یا فجر کی نماز پڑھانے کے لیے مجھے حکم دے دیا کرتے، چنانچہ ۳۰؍محرم ۱۴۰۸ھ بروز جمعہ بھی فجر کی نماز پڑھانے کا مجھے حکم دے دیا گیا، نماز ودعا سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی قدس سرہٗ - فاضلِ دارالعلوم دیوبند واستاذِ حدیث وتفسیر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن- (متوفّٰی ۱۴۰۹ھ) جو پہلی صف میں مولوی سید یوسف حسن طاہر صاحب مؤذن مسجد (حال امام وخطیب مسجد) کے بغل میں تشریف فرما تھے، ان سے دریافت فرمانے لگے کہ یہ نماز پڑھانے والا کون ہے؟ انہوں نے میرا تعارف کراتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی نسبت کا ذکر بھی کردیا، میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ کر حضرتؒ سے مصافحہ کیا اور دارالعلوم دیوبند کی سفارش پر جامعۃ الملک سعود ریاض میں داخلہ ملنے اور آج ہی بعد نمازِ جمعہ ریاض

روانہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سے دعا کی درخواست کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''جاؤ! لیکن خیال رکھنا کہیں وہاں پر اغواء نہ ہوجاؤ۔'' حضرت مولانا ادریس صاحب قدس سرہٗ کی یہ مخلصانہ، مختصر اور جامع نصیحت آگے چل کر احقر کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔

کراچی سے ریاض روانگی

۳۰ر محرم ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۵ر ستمبر ۱۹۸۷ء بروز جمعہ نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر کراچی ایئرپورٹ پہنچ کر تقریباً چھ بجے شام کو بذریعہ سعودی ایئرلائنز ریاض روانہ ہوا، اور تقریباً تین گھنٹے میں سعودی عرب کے وقت کے مطابق شام سات بجے ریاض ایئرپورٹ پہنچ گیا، جہاں مغرب کی نماز پڑھ کر سیدھا جامعۃ الملک سعود پہنچ کر اپنی آمد سے جامعہ کے ذمہ داروں کو آگاہ کردیا جنہوں نے قیام ودیگر ضروریات کا فوری طور پر انتظام کردیا۔ احقر کا داخلہ ''وحدۃ اللغۃ والثقافۃ'' میں ہوا تھا جو کہ معہد اللغۃ العربیۃ کے تین شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ ایک ہفتہ رہائش کے انتظام، تعلیمی درسگاہوں کی تعیین، ضروری اور قانونی کاغذات کی فراہمی میں خرچ ہوا۔ اس ابتدائی ہفتہ میں دو مرتبہ اپنے استاذ ومرشد حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کو اور ایک مرتبہ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مد ظلہم کو خواب میں دیکھا جس سے یہ امید قائم ہوگئی کہ اپنے بڑوں کی دعائیں اور توجہات شامل ہیں۔

بروز ہفتہ ۸ر ماہِ صفر ۱۴۰۸ھ تعلیم کا آغاز ہوا، میں اپنے اسباق میں تو برابر حاضری دیتا رہا، البتہ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے دل کی بے چینی میں بھی اضافہ ہوتا رہا:

منزلِ دوست چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

اور صورت حال یہ تھی کہ جامعۃ الملک سعود کی تحریری اجازت کے بغیر ہم ریاض سے باہر نہیں جاسکتے تھے، اور تعلیمی ایام میں جامعہ کی طرف سے اجازت ملنا دشوار تھا، لہٰذا اسی بے چینی کی کیفیت میں تقریباً ڈیڑھ مہینہ گزر گیا، بالآخر ایک مختصر وقت کے لیے عمرہ کی ادائیگی کی غرض سے جامعہ سے تحریری اجازت نامہ حاصل کرنے میں بحمد اللہ! کامیابی ہوئی اور ہم لوگ چار ساتھی جن میں سے ایک مولوی محمد اشرف علی صاحب جن کا تعلق سرگودھا پاکستان سے تھا اور آج کل جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا کے مہتمم ہیں، دوسرے مولوی عبدالستار صاحب جن کا تعلق لودھراں ملتان سے تھا، تیسرے جناب دوست محمد صاحب جن کا تعلق سرگودھا سے تھا اور چوتھا راقم السطور تھا۔ ہم نے مل کر ایک کار کرایہ پر لی اور بروز منگل ۱۷ر ربیع الاول ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۰ر نومبر ۱۹۸۷ء جامعۃ الملک سعود ریاض سے حرمین شریفین کی پہلی حاضری کے ارادہ سے اپنی پوری زندگی کے اس یادگار سفر پر روانہ ہوگئے۔ راستہ میں اس تصور سے کہ ہم ان شاء اللہ! عنقریب کعبۃ اللہ (حرسہا اللّٰہ) کی زیارت اور روضۂ رسول (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہونے والے ہیں، ہماری کیفیت ایسی ہوجاتی کہ اس کو تحریر میں لانا میرے کمزور قلم کے بس سے باہر ہے۔

واضح رہے کہ میرے مذکورہ تینوں ساتھیوں کو ''چنیوٹ'' صوبہ پنجاب پاکستان میں واقع حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کے مدرسہ ''ادارۃ الدعوۃ والارشاد'' کی معرفت سے جامعۃ الملک سعود میں داخلہ ملا تھا، اور حرمین شریفین کی زیارت سے یہ حضرات بھی پہلی بار مشرف ہورہے تھے، اس لیے ہم سب کی کیفیت تقریباً یکساں تھی۔

مرکزِ تجلیات کی پہلی زیارت

بہرصورت! ہم لوگ منگل اور بدھ کی درمیانی شب مکہ مکرمہ پہنچے اور تقریباً رات کے دو بجے ذرا فاصلہ سے مسجد حرام کے مبارک میناروں کی زیارت ہوئی، اور یہ تصور قائم رہا کہ یہ وہ مسجد حرام ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار فرمایا ہے، اور ہمیں ان شاء اللہ! چند ہی منٹ بعد اس مبارک مسجد کے اندر حاضر ہونے اور کعبۃ اللہ کی زیارت کرنے کا موقع ملنے والا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑی دیر بعد ہم دنیا کی اس جنت میں پہنچ کر کعبۃ اللہ کی زیارت سے مستفیض ہونے لگے، ہماری خوش قسمتی یہ تھی کہ ہم کعبۃ اللہ کی اس پہلی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی سے رات کے اس حصے میں فیض یاب ہورہے تھے جس میں حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنی خاص شانِ رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور خود ہی ان کو دعا اور سوال واستغفار کی ترغیب دیتا ہے، حدیث نبوی ملاحظہ ہو:

''عن أبی هريرة –رضی اللّٰه عنه– قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ينزل ربنا تبارک وتعالٰی کل ليلة إلی السماء الدنيا حين يبقی ثلث الليل الآخر، يقول: من يدعونی فأستجيب لهٗ ؟ من يسألنی فأعطيه ؟ من يستغفرنی فأغفر له؟۔'' (متفق علیہ)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا مالک اور رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے، تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے، تاکہ میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے، تاکہ میں اس کو بخش دوں؟۔'' (صحیح بخاری ومسلم)

غور کیا جائے! مسجد حرام کی فضا ہو، مرکزِ تجلیات سامنے ہو، حجر اسود کو بوسہ دینے اور کعبۃ اللہ کے اردگرد طواف کرنے کا وقت آگیا ہو، ملتزم سے لپٹنے اور ربِّ کعبہ کے سامنے اپنی معروضات پیش کرنے کا ایک بہترین موقع مل رہا ہو، آبِ زمزم کے ذریعہ ظاہری اور روحانی طور پر سیراب ہونے کی سہولت میسر ہورہی ہو، اور حسن اتفاق سے رات کا وہ حصہ چل رہا ہو جس میں اللہ تعالیٰ خود اپنے عاجز بندے کو دعا، سوال اور استغفار کرنے کی دعوت دے رہا ہو، اور ہو بھی کعبۃ اللہ کی پہلی زیارت، جس کی تمنا میں سالوں سال بیت چکے ہوں! ایسے ماحول میں زائر کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس سوال کا جواب مختصر

الفاظ میں یہ ہے کہ اس کی تمام پریشانیاں کافور ہوجاتی ہیں اور دل کو ایک ایسا سکون ملتا ہے جس کو تحریر میں پوری طرح بیان نہیں کیا جاسکتا:

ذوقِ ایں مَے نہ بدانے بخدا تا نہ چشے

اور زائر کا دل زبانِ حال سے اِس کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے:

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمین است وہمین است وہمین است

اور دنیا کی اِس رحمت کو سامنے رکھتے ہوئے آخرت کی جنت اور جنت والوں کی اُس کیفیت کو بھی یاد کرلیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا ہے:

''وَقَالُوْا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ أَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ ''۔(الفاطر:۳۴)

ترجمہ: ''اور جنت والے (جنت میں داخل ہونے کے بعد) کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا قدردان ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مذکورہ بالا کیفیت کے ساتھ ہم لوگ فجر کی اذان سے پہلے عمرہ کی ادائیگی سے فارغ ہوگئے، تھوڑی دیر بعد حرمِ پاک کی پُرکیف فضا میں فجر کی اذان دلوں کو جھنجھوڑنے لگی، جس کی تکبیروں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شہادتَین سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کا اعلان ہورہا تھا: **حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح اور الصلوۃ خیر من النوم** سے نماز کی اہمیت اُجاگر ہورہی تھی اور نمازو کامیابی کی طرف آگے بڑھنے کی دعوت دی جارہی تھی، حرمِ پاک کی درودیوار سے ٹکراکر اذان کے یہ کلمات جب کانوں میں پہنچتے تو غفلت میں ڈوبے ہوئے قلوب کو جگادینے کے لیے کافی ہوجاتے، اذان ونماز کے درمیان وقفہ کے اندر فجر کی دوسنتیں پڑھنے اور اس بات پرغور کرنے کا موقع ملا کہ تھوڑی دیر کے بعد جس مسجد میں باجماعت نماز شروع ہونے والی ہے، وہ اُن تین مساجد میں سے ایک ہے جن کے لیے صحیح حدیث کے مطابق رختِ سفر باندھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور جن میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد کی ایک کثیر تعداد نمازوں سے زیادہ بتایا گیا ہے، اسی پرغور کرتے ہوئے نگاہیں کعبۃ اللہ کے مبارک منظر سے محظوظ ہورہی تھیں، تھوڑی دیر کے بعد فجر کی نماز امامِ حرم کی اقتداء میں شروع ہوگئی، اور روئے زمین کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے مہمانانِ حرم نے کعبۃ اللہ کے اردگرد صفیں باندھ کر کندھوں سے کندھے ملادیئے، جب تلاوتِ قرآن شروع ہوئی تو ایسا محسوس ہورہا تھا جیسا کہ قرآن کا نزول ہورہا ہو اور دل یہ چاہ رہا تھا کہ یہ تلاوت جلدی ختم نہ ہو، نمازِ فجر کے بعد دوپہر تک آرام کیا، اور دوپہر کو اُٹھ کر پہلے کھانا کھایا اور پھر حرم حاضری ہوئی، ظہر سے عصر تک حرم میں رہے اور عصر کے بعد ہم سب ساتھیوں نے غارِ حرا جانے کا پروگرام بنایا۔ **(جاری ہے)**